حضرت مولانا محمد طاسین مدظلہ صدر مجلس علمی کراچی

مروجہ استحصالی ظالمانہ معاشی نظام کا خاتمہ

اور

اس کی جگہ اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کا قیام اور استحکام ایک نہایت اہم لیکن مشکل ترین مسئلہ اور اس کے حل کا طریق کار

(۲)

جس کی وجہ سے شارع نے اس کو حرام و ممنوع ٹھہرایا ہے، اگر وہ اس پر غور فرماتے اور اس میں وہ حضرات مفسرین کرام کی ان عبارات و تصریحات کو بھی دیکھتے اور اُن سے فائدہ اٹھاتے جو انہوں نے اپنی تفاسیر کے اندر ربوٰ کی حقیقت اور اس کے حرام ہونے کی علت سے متعلق تحریر فرمائی ہیں، اور پھر اس کی روشنی میں موجودہ معاشی نظام کے اُن پہلوؤں کا گہرا اور تحقیقی جائزہ لیتے جو اُوپر ذکر کیے گیے تو وہ یقیناً اس نتیجہ تک پہنچتے کہ ان پہلوؤں میں بھی وہ برائی پوری طرح موجود ہے جس کی وجہ سے بینکوں والا سُود حرام و ممنوع ہے، لہٰذا وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ معاشی نظام کے یہ پہلو اسلام کے مطابق ہیں ان میں کسی بنیادی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

یہاں ایک یہ بات بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس ملک و معاشرے کا معاشی نظام سرمایۂ دارانہ ہو جو اپنے بعض بنیادی اصولوں کی بنا پر سود کو قانوناً جائز قرار دیتا ہے اس میں کبھی یہ بحث نہیں کی جاتی کہ نفس سود جائز ہے یا ناجائز یا یہ کہ اس کی کونسی قسم جائز ہے اور کون سی قسم ناجائز، اس میں سود کے متعلق اگر کبھی کوئی بحث کی جاتی ہے تو وہ اس کی شرح سے متعلق ہوتی ہے کہ کن حالات میں شرح سود کتنی ہونی اور کتنی نہ ہونی چاہیئے، بہر حال چونکہ نظام سرمایۂ داری میں انٹرسٹ یعنی سود کوئی بری چیز نہیں لہٰذا اس کے تمام اداروں میں سود کا عنصر کم و بیش ضرور موجود ہوتا ہے بینکاری کا ادارہ ہو یا بیمہ کاری کا ادارہ، درآمدی برآمدی تجارت کا ادارہ ہو یا کارخانہ داری کا ادارہ، جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا ادارہ ہو یا اجارے اور کرایہ داری کا ادارہ، گویا نظام سرمایہ داری کے چھوٹے بڑے سب اداروں میں سود اس طرح جاری ساری ہوتا ہے جس طرح ایک زندہ جسم کے جملہ اعضاء میں خون جاری ساری ہوتا ہے بنابریں نظام سرمایۂ داری کو بحیثیت ایک کل کے قائم رکھتے ہوئے اُس کے کسی ایک جزء مثلاً بینکاری کے ادارہ کو سُود سے پاک کرنے کی کوشش کرنا، ایک بالکل ناکام اور لاحاصل کوشش ہوتی ہے کیونکہ جزء کا مزاج ہمیشہ کُل کے مزاج کے تابع رہتا ہے۔ چنانچہ اس کا نمایاں ثبوت یہ کہ

مرحوم جنرل ضیاء الحق کے دور میں بینکوں کے ادارہ کو سود سے پاک کرنے اور اسلامی بنانے کے لیے ماہرین اقتصادیات کا ایک پینل تشکیل دیا جس میں اسلامی نظریاتی کونسل کے بھی بعض ارکان شریک تھے، اِس پینل نے طویل محنت وکاوش کے بعد ایک کافی مفصل رپورٹ پیش کی جس کا عنوان تھا "بلاسُود بینکاری" اور پھر اس کو شائع بھی کیا گیا اس رپورٹ میں یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ بینکاری کی جو موجودہ شکل ہے وہ قطعی طور پر سُودی اور غیر اسلامی ہے اس کو اسلامی اور غیر سودی بنانے کے لیے متبادل کے طور پر متعدد تجاویز پیش کی گئیں اور کہا گیا کہ اِن تجاویز میں پیش کردہ معاملات کی بنیاد پر بینکاری کی جائے تو وہ غیر سُودی بھی ہوگی اور اسلامی بھی، لیکن اسی پینل کے ایک ممبر نے جن کو ماہر اقتصادیات کی مسلمہ حیثیت سے اس میں شریک کیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے زندگی کا بڑا حصہ سود کی تحقیق و ریسرچ میں صرف کیا تھا جیسا کہ ان کی سود کے موضوع پر شائع شدہ کتابوں اور تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے اُس ممبر سے میری مراد پروفیسر شیخ محمودؒ احمد ہیں جن کا کچھ ہی عرصہ پہلے لاہور میں انتقال ہوا، پینل کی رپورٹ کے متعلق اپنے اختلافی نوٹ میں لکھا کہ رپورٹ میں سود کے متبادل جتنے معاملات پیش کیے گئے ہیں وہ اپنی حقیقت غرض اور معروضی نتائج کے لحاظ سے سود کے مترادف ہیں لہٰذا غیر اسلامی ہیں، علاوہ ازیں اس رپورٹ میں سود کے متبادل تجویز کردہ معاملات میں ایک معاملہ "نفع و نقصان میں شراکت" کے نام سے بھی پیش کیا گیا اور اُس کا نفاذ بھی عمل میں آیا، متعدد علماء کرام نے اس کے غیر سودی ہونے کی تردید کی اور دلائل کے ساتھ بتلایا کہ یہ بھی اپنی حقیقت غرض و غایت اور اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے سودی معاملہ ہے، اس پر میرا بھی ایک مضمون متعدد ماہناموں اور ہفت روزوں میں کثرت کے ساتھ شائع ہوا اور علماء کرام کی نظر سے گزرا اور کسی نے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔

مقصد عرض کرنے کا یہ ہے کہ جس ملک و معاشرے میں بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج ہو چونکہ اُس کے اندر سرمایہ کاری کی ایسی بکثرت شکلیں موجود اور قانوناً جائز ہوتی ہیں جن میں ایک فریق دوسرے کو کاروبار وغیرہ کے لیئے سرمایہ اس شرط پر دیتا ہے کہ اس کا سرمایۂ قرض کی طرح محفوظ رہے گا اور وقت کے لحاظ سے اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ بھی ضرور ہوگا، لہٰذا اس کے اندر بینک کا ادارہ بھی صرف اسی طریقہ سے کام کر سکتا ہے یعنی وہ دوسروں سے جو مال لے اس کی حیثیت واجب الادا قرض کی اور مدت کے لحاظ سے اس پر اضافہ بھی ضرور ہو۔ اسی طرح بینک جن لوگوں کو کاروبار وغیرہ کے لیے مال دے اس کی حیثیت بھی واجب الاداء قرض کی اور اس پر اضافہ ضروری ہو، مالی لین دین کا یہ طریقہ، سودی طریقہ کہلاتا ہے، بینک اس طریقہ کے سوا دوسرے کسی ایسے طریقہ سے اپنا کاروبار جاری نہیں رکھ سکتا جس میں مال والے فریق کے لیے کچھ اضافہ کے ساتھ اصل مال کی واپسی کی ضمانت نہ ہو، مثلاً مضاربت کا طریقہ کہ اس میں اضافہ تو درکنار اصل مال کی واپسی کی ضمانت

نہیں دی جاسکتی کیونکہ اس میں مال والے فریق کام کرتے والے فریق کے پاس جو مال ہوتا ہے واجب الاداء قرض کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ امانت کے طور پر ہوتا ہے، امانت والے مال کا شرعی حکم یہ ہے کہ وہ اگر کسی ارضی سماوی آفت سے ضائع ہو جائے تو اس کا نقصان امانت والے صاحب مال کو برداشت کرنا پڑتا ہے جب کہ قرض کا مال ضائع ہو جانے کی شکل میں بھی مقروض کو ضرور ادا کرنا پڑتا ہے قرض خواہ کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا، للذا سرمایۂ دارانہ معاشی نظام میں بینک کا ادارہ مضاربت کی بنیاد پر نہیں چل سکتا، مطلب یہ کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سرمایۂ دارانہ نظام کے اندر بینک کے ادارہ کو غیر سودی طریقوں سے چلایا جاسکتا ہے وہ مغالطے کا شکار ہیں اور دھوکے میں مبتلا اسلامی بینکاری کے لیے یا لوگوں نے مختلف ناموں سے اَب تک جتنے طریقے تجویز کیے ہیں وہ سب معنوی لحاظ سے سودی طریقے ہیں وہ برائی جو قرض والے سود میں پائی جاتی ہے وہ پوری طرح ان معاشی معاملات میں بھی پائی جاتی ہے جو بینکاری کے لیے متبادل طور پر تجویز کیے گئے ہیں، ان متبادل طریقوں سے بینکاری کے معروضی اثرات و نتائج سو فیصد ویسے ہی ظاہر ہونا لازمی ہے جو موجودہ سودی بینکاری کے آج ہمارے سامنے ہیں مجھے اندیشہ اس کا ہے کہ جب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ اسلام کے نام پر جو نیا بینکاری نظام بنایا گیا ہے معروضی نتائج و اثرات کے لحاظ سے اس میں اور سابقہ غیر اسلامی بینکاری نظام میں کوئی خاص فرق نہیں جو غنی و مالدار لوگ سابقہ سودی بینکاری والے نظام سے جس طرح فائدے اٹھا رہے تھے وہی لوگ اسی طرح سے اس نئے بینکاری نظام سے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اب بھی دولت کی گردش انہی لوگوں کے درمیان محدود ہے جن کے درمیان سابقہ نظام بینکاری میں محدود تھی، عام آدمی کو جو اپنی خستہ معاشی حالت کی وجہ سے نہ بینک کو پیسہ دے سکتا اور نہ اس سے قرض لے سکتا ہے نہ سابقہ نظام بینکاری سے کوئی فائدہ پہنچتا تھا اور نہ اس نئے نظام بینکاری میں جو اسلام کے نام پر قائم کیا گیا ہے اس کو کوئی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے تو گویا معاشرے کی بچانوے فیصد آبادی کو بینکاری کے اس نظام کی لفظی تبدیلی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اس غیر فطری معاشی عدم توازن میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی جو معاشرے میں پایا جاتا ہے تو اس صورت حال کو دیکھ کر لوگوں کے اندر یہ خیال پیدا ہونا فطرتی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے متعلق علماء کے دعوے غلط تھے جو وہ عام مسلمانوں کے سامنے کرتے رہے کہ اس میں نہ کوئی غریب رہتا ہے اور نہ امیر بلکہ سب تقریباً برابر ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ، بلکہ کچھ کمزور ایمان کے لوگ خود اسلام سے ہی بدگمان اور متنفر ہو جائیں یہ بھی بعید از عقل نہیں، رہے مخالفین اسلام تو ان کو تو ایسی صورت میں اسلام کے خلاف زہر اگلنے اور پروپیگنڈہ کرنے کا خوب موقع ملے گا، بہرحال ایسی صورت میں اسلام کی بدنامی کو جو نقصان پہنچے گا اس کے تمام تر ذمہ دار اور قصوروار اسلام کے وہ نادان دوست ہونگے جو بغیر سوچے سمجھے بے احتیاطی کے ساتھ اسلام کے معاشی نظام کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں اللہ ان کو حقیقت حال

کے صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق بخشے۔

قارئین کرام! ضمنی لیکن نہائت ضروری بحث کے بعد اب میں اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں، میں سمجھتا ہوں گذشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا اس سے مسئلہ زیر بحث کی غیر معمولی اہمیت کی وضاحت کے ساتھ اُن وجوہ بھی نقاب کشائی ہوگئی ہے جن کی بنا پر یہ مسئلہ ایک نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بھی ہے۔

اب میں کچھ اُس طریق کار کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں جس کا اختیار کرنا میرے نزدیک اس مسئلہ کے حل کے لیے ضروری ہے۔ طریق کار کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک دلی خواہش و آرزو کا تعلق ہے دوسرے بہت سے مسلمانوں کی طرح میری بھی یہی ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو ہمارے ملک پاکستان اور پاکستانی معاشرے سے موجودہ استحصالی ظالمانہ معاشی نظام ختم اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قائم ہو، لیکن اِس عالم اسباب میں محض خواہشوں اور تمناؤں سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ صرف اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ ضروری اسباب مہیّا ہو جائیں جو قدرتی طور پر اُس کے لیے مقرر ہیں، یہاں مثلاً ایک بھوکے پیاسے انسان کی بھوک پیاس، محض کھانے اور پانی کی خواہش و آرزو سے دور نہیں ہوتی بلکہ اُسی وقت دور ہوتی ہے جب کھانا اور پانی حاصل کرکے کھایا اور پیا جاتا ہے، اِسلام چونکہ اسی اللہ رب العٰلمین کا ہدایت کردہ دین ہے جس نے عالم اَسباب کو پیدا فرمایا ہے لہٰذا اسلام کی مسلمانوں کے لیے یہ تعلیم اور ہدائت ہے کہ وہ ہر مقصد کو حاصل کرنے سے پہلے وہ اسباب و وسائل مہیّا کرنے کی پوری کوشش کریں اور نتیجہ کے لیے اللہ تعالےٰ مسبّب الاسباب پر بھروسہ اور توکل کریں، مطلب یہ کہ توکل ترکِ اسباب کا نام نہیں بلکہ ضروری اسباب مہیّا کرنے کے بعد نتیجہ کے لیے اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسے کا نام توکل ہے جس کی اسلام میں تعلیم ہے اور جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ہر مقصد سے پہلے اس کے لیے ضروری اسباب فراہم کرنے کی کوشش فرمائی اور کامیابی کے لیے اللہ سے دعا کی، محض دعا پر بھروسہ نہیں فرمایا، لٰہذا اتباع سنت نبوی ؐ کے تحت ہم مسلمانوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ ہر نیک مقصد کو حاصل کرنے سے پہلے ان اسباب کو معلوم کریں جن پر اس مقصد کے حصول کا دار و مدار ہے اور پھر اُن اسباب کو مہیّا کرنے کی ہر ممکن سعی و کوشش کریں اور کامیابی کے لیے نہائت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالےٰ سے دعا مانگیں جو مسبب الاسباب ہے اور جس کے ہاتھ میں کامیابی کا پورا اختیار ہے۔

بہرکیف معاشرے میں معاشی نظام کی تبدیلی کا جو مقصد ہے وہ محض آرزو اور خواہش سے حاصل نہیں ہوسکتا اُس کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اُس طریق کار اور طرز عمل کو معلوم اور اختیار کیا جائے، جو اِس عالم اسباب میں اُس کے لئے مقرر ہے، جہاں تک اِس بارے میں میرے علم و فہم اور غور و فکر کا

تعلق ہے میں سمجھتا ہوں اس سلسلہ میں سب سے پہلے کرنے کا جو کام ہے وہ قرآن وحدیث کی روشنی وراہنمائی میں اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے تعین کا علمی و فکری کام ہے موجودہ حالات میں یہ اہم علمی کام انفرادی کی بجائے اجتماعی طریقہ سے ہونا چاہیئے ، مطلب یہ کہ اس اہم علمی و فکری کام کو انجام دینے کے لیے ایسے علماء کرام کی ایک جماعت مقرر کی جانی چاہیئے جو قرآن وحدیث کے وسیع وعمیق علم کے ساتھ علم المعاشیات اور جدید معاشی نظاموں سے بھی ایک حد تک واقف و آگاہ ہوں ، نیز ضروری ہے کہ اُس کے ارکان کھلے ذہن کے ساتھ غور وفکر اور استنباط واستخراج کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے اور استدلال کے منطقی طریقوں کو اچھی طرح جانتے ہوں اور کسی فقیہ کے اندھے مقلد نہ ہوں شخصیت سے زیادہ دلیل سے متاثر ہوتے ہوں ، اس جماعت کے ارکان کے لیے جدید معاشی علوم وافکار اور مروجہ معاشی نظاموں سے ایک حد تک واقفیت اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بغیر قرآن وحدیث کی معاشی تعلیمات کا نہ معاشی مفہوم ومطلب اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ان کو معاشیات کی زبان میں سمجھایا اور معاشی نظام کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے ، اسی طرح چونکہ مطلوبہ علمی کام اجتہادی نوعیت کا ہے لہذا اس کام کو انجام دینے والی جماعت استنباط واستخراج کی صلاحیت سے آراستہ اور استدلال کے فقہی اور منطقی طریقوں سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے ۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ حالات میں مذکورہ اوصاف کے علماء بہت ہی کم تو ہو سکتے ہیں لیکن بالکل نا پید اور مفقود نہیں اخلاص اور سنجیدگی کے ساتھ تلاش وجستجو کی جائے تو چند ایک ضرور مل سکتے ہیں ایسے علماء کرام کو تلاش کر کے ایک جگہ جمع کرنا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں ۔ اس کام کو سرکاری اداروں کی بجائے غیر سرکاری آزاد علمی ادارے بہتر طور پر کر سکتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ غیر حکومتی اور غیر سیاسی علمی و دینی اداروں کو ہی یہ اہم علمی کام کرنا کرانا چاہیئے حکومت کے کسی ادارے سے ہرگز اس کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے وجہ ظاہر ہے کسی بیان کی ضرورت نہیں ۔

تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ مجھے گذشتہ تیس سال سے اسلامی معاشیات کے موضوع سے خصوصی دلچسپی اور اُس کی طرف بھرپور توجہ رہی ہے میں نے اس کے متعلق بہت کچھ پڑھا ، سوچا اور پھر لکھا بھی ہے جس کا کچھ حصہ علمی و دینی ہفت روزہ اور ماہانہ پرچوں میں شائع ہوا اور کافی حصہ اب تک شائع نہیں ہوا ، اِس عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ موضوع سے متعلق بہت کچھ پڑھنے ، سوچنے اور غور وفکر کرنے کے بعد میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ قرآن وحدیث میں معاشی نوعیت کی جو تعلیمات ہیں وہ تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کی حیثیت اخلاقی مواعظ وترغیبات کی ہے دوسری وہ جن کی نوعیت مستقل اور حقیقی قوانین کی ہے اور تیسری وہ جن کی حیثیت وقتی اور عارضی احکام وقوانین کی ہے ، ان تین طرح کی معاشی تعلیمات

کے مابین کئی وجوہ سے فرق ومغائرت ہے، اوّل الذکر اخلاقی تعلیمات احسان پر مبنی ہیں جس کے معنے ہیں رضاکارانہ طور پر اپنے حق کا دوسرے کے لیے ایثار کرنا، بالفاظ دیگر اپنی مرضی خوشی سے دوسرے کو وہ چیز دے دینا جس کا وہ قانوناً حقدار نہ ہو، ثانی الذکر مستقل اور حقیقی قانونی تعلیمات عدل پر مبنی ہیں جس کے معنے ہیں معاملات میں ہر فریق کو اُس کا حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ملنا، اور ثالث الذکر وقتی اور عبوری قانونی تعلیمات وقتی مصلحت پر مبنی ہیں جس کا مطلب ہے ناموافق حالات میں نسبتاً جو بہتر ہو اس کو اختیار کرلینا، دوسری وجہ ان تین طرح کی تعلیمات کے درمیان فرق ومغائرت کی یہ ہے کہ اوّل الذکر اخلاقی معاشی تعلیمات کی شرعی حیثیت نفل اور مستحب کی ہے جن پر عمل کرنے نہ کرنے کا بندۂ مومن کو اختیار ہوتا ہے، چاہے تو اُن پر عمل کرے اور چاہے تو نہ کرے البتہ ان پر عمل کرنا عنداللہ بڑے اجر وثواب کا موجب ہے اور نہ کرنا عنداللہ نہ گناہ ہے اور نہ موجب عذاب، اسلامی حکومت اُن کی پابندی پر کسی کو مجبور نہیں کرسکتی ہاں ترغیب ضرور دلا سکتی ہے مثلاً جو افراد اُن پر عمل کریں اُن کو قومی اعزازات اور خاص مراعات سے نواز سکتی ہے، جب کہ ثانی الذکر قانونی تعلیمات کی شرعی حیثیت فرض اور واجب کی ہے جن پر عمل کرنا لازمی وضروری ہوتا ہے گویا یہ اختیاری نہیں جبری نوعیت کی ہیں، اور یہ کہ ان کی پابندی موجب اجر وثواب نیکی اور خلاف ورزی موجب عقاب وسزا جرم وگناہ ہے، اسلامی حکومت ان قانونی تعلیمات کی پابندی پر شہریوں کو مجبور کرسکتی ہے چنانچہ خلاف ورزی کرنے والوں کو تعزیری سزا دے سکتی ہے، اسی طرح تیسری تعلیمات جو وقتی اور عبوری احکام کی حیثیت رکھتی ہیں مخصوص عبوری حالات میں واجب العمل ہوتی اور حکومت اُن کی پابندی پر مجبور کرسکتی ہے، تیسری وجہ ان تین قسم کی معاشی تعلیمات کے مابین فرق ومغائرت کی یہ ہے کہ جو تعلیمات عدل پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستقل اور حقیقی قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں اُن پر عمل کے نتیجہ میں افراد کے معاشی حقوق پوری طرح محفوظ ہوجاتے اور معاشرے میں معاشی اعتدال وتوازن وجود میں آتا ہے ہر ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں بنیادی معاشی ضروریات بھی میسر آجاتی ہیں اور معاشی ترقی کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ جب کہ احسان وایثار پر مبنی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے سے ان لوگوں کے تعلقات میں سکون بخش خوشگواری پیدا ہوتی اور عمل کرنے والوں کو اخلاقی وروحانی عظمت نصیب ہونے کے ساتھ معاشرے میں عزت اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ دوسروں پر احسان کرنا اور اُن کو نفع اور راحت پہنچانا، ایسا عمل ہے جس کو ہر انسانی معاشرے میں اچھا اور مستحسن سمجھا جاتا اور عمل کرنے والے کی تکریم وتوقیر کی جاتی ہے گویا یہ ایک عالمگیر اچھائی وسچائی ہے۔ رہی تیسری نوع کی عبوری معاشی تعلیمات جو وقتی مصلحت پر مبنی ہوتی ہیں اُن پر عمل کرنے سے معاشرے میں موجود ظلم وفساد میں کچھ کمی واقع ہوتی اور اجتماعی حالت نسبتاً بہتر بن جاتی ہے، چوتھی

وجہ ان تین قسم کی معاشیات تعلیمات کے درمیان فرق ومغائرت کی یہ ہے کہ عدل پر مبنی جو مستقل اور حقیقی توانین کی طرح کی معاشی تعلیمات ہیں وہ اپنی وضع وساخت کے لحاظ سے ایک ہی متعین شکل رکھتی ہیں نظری طور پر بھی اور عملی طور پر بھی، جب کہ احسان پر مبنی جو اخلاقی نوعیت کی تعلیمات ہیں اُن کی نظری اور عملی طور پر ایک سے زیادہ بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں، اسی طرح وقتی مصلحت پر مبنی جو عارضی اور عبوری قسم کی قانونی تعلیمات ہیں اُن کی بھی نظری اور عملی طور پر کوئی ایک متعین شکل نہیں بلکہ ایک سے زیادہ کثیر التعداد شکلیں ہو سکتی ہیں اِس کی وجہ یہ کہ اوّل الذکر تعلیمات جس عدل پر مبنی ہیں اُس میں مساوات وبرابری کا تصور ہے اور ثانی الذکر تعلیمات جس احسان پر مبنی ہیں اُس میں زیادہ کا تصور ہے جب کہ آخر الذکر تعلیمات جس مصلحت پر مبنی ہیں اس میں کم اور ادھورے کا تصور ہے اور چونکہ لین دین کے کسی معاملہ میں مساوات کی صرف ایک شکل ممکن ہوتی ہے لہٰذا عدل ومساوات پر مبنی تعلیمات بھی صرف ایک ہی شکل ممکن ہے اور اس کے بالمقابل چونکہ زیادہ اور کم کی بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں لہٰذا زیادہ اور کم پر مبنی تعلیمات کی بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں، اس بات کی مزید وضاحت کے لیے ایک مثال پیش کرتا ہوں ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے میرا یہ کام کر دو تو اس کی اجرت مثلاً دس روپے ہوگی دوسرا وہ کام کر دیتا ہے تو دس روپے کا حقدار ٹھہرتا ہے اب اگر وہ کام کرانے والا کام کرنے والے کو پورے دس روپے دیتا ہے تو عدل کی شکل اور دس سے زیادہ دیتا ہے تو احسان کی شکل اور دس سے کم دیتا ہے تو ظلم کی شکل قرار پاتی ہے، اس مثال میں نظری اور عملی طور پر عدل کی صرف ایک شکل اور دس سے کم دیتا ہے تو ظلم کی شکل قرار پاتی ہے، اس مثال میں نظری اور عملی طور پر عدل کی صرف ایک شکل ہے یعنی پورے دس روپے دینا، اور احسان کی بے شمار شکلیں ہو سکتی اس لیے کہ دس روپے پر زیادہ کی بے شمار شکلیں ہو سکتی ہیں دس روپے پر مثلاً ایک پیسہ زائد ہو تو احسان کی ایک شکل، ایک روپیہ زائد ہو تو دوسری شکل پانچ روپے زائد ہوں تو تیسری شکل اور دس روپے زائد ہوں تو چوتھی شکل غرضیکہ مذکورہ معاملے میں احسان کی سینکڑوں ہزاروں شکلیں ہو سکتی ہیں، اسی طرح مثال مذکور میں دس روپے سے کم کی پیسوں کے لحاظ نو سو ننانوے اور روپوں کے لحاظ سے نو شکلیں ہو سکتی ہیں اور ہر ایک ظلم وحق تلفی کا مصداق قرار پاتی ہے، اس مثال سے یہ بھی واضح ہوا کہ لین دین کے مالی معاملہ میں عدل کے تعین پر احسان اور ظلم کے تعین کا دارومدار ہے اور یہ کہ عدل گویا احسان اور ظلم کے درمیان حد فاصل ہے جس کی ایک طرف کا نام احسان اور دوسری طرف کا نام ظلم ہے لہٰذا جب تک کسی معاملہ میں عدل کی شکل متعین ومعلوم نہ ہو، اُس میں احسان اور ظلم کی شکلیں متعین ومعلوم نہیں ہو سکتیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کے معاشی نظام کو ایک متعین شکل میں مرتب اور پیش کیا جا سکتا ہے تو صرف اس کی ان معاشی تعلیمات کی بنیاد پر جو

عدل پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستقل و حقیقی قوانین اور واجب العمل فرض احکام کی حیثیت رکھتی ہیں نہ احسان والی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد پر مرتب و پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ وقتی مصلحت والی عارضی اور عبوری تعلیمات کی بنیاد پر جو عبوری حالات سے تعلق رکھتی ہیں۔

علاوہ ازیں اسلام کے معاشی نظام کی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی معاشی نظاموں پر عقلی و نظری لحاظ سے بہتری و برتری ثابت کی جا سکتی ہے تو وہ بھی اس کی اُن معاشی تعلیمات کی بنیاد پر جو عدل پر مبنی مستقل اور حقیقی قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں، جہاں تک احسان و ایثار پر مبنی اخلاقی نوعیت کی معاشی تعلیمات کا تعلق ہے اُن کی تعلیم و ترغیب صرف دین اسلام میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر سماوی دین و مذہب میں موجود ہے بلکہ لادین قسم کے انسانی معاشروں میں بھی ایسے لوگوں کو اچھا سمجھا اور عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جو ازراہ ہمدردی اور خیر خواہی دوسروں کے لیے مالی ایثار کرتے اور رفاہ عام کے مصارف میں دل کھول کر حصہ لیتے ہیں حالانکہ وہ قانوناً اس کے پابند نہیں ہوتے گویا احسان والی اخلاقی تعلیمات پر عمل کی ترغیب تمام اَدیان اور تمام معاشروں میں پائی جاتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس قسم کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کی ترغیب تمام ادیان اور تمام معاشروں میں پائی جاتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس قسم کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے کے جو معنوی اور روحانی محرکات اسلامی ہدایات میں ہیں وہ بہت قوی و زیادہ پائیدار ہیں۔ بہرحال اسلام میں جو اخلاقی نوعیت کی معاشی تعلیمات ہیں اُن کی بنا پر اسلام کے معاشی نظام کی بہتری و برتری دوسرے معاشی نظاموں پر ثابت نہیں کی جا سکتی اسی طرح اسلام کی اُن معاشی تعلیمات کی بنا پر بھی اسلامی معاشی نظام کی دوسرے معاشی نظاموں پر بہتری اور برتری ثابت نہیں کی جا سکتی جو ناموافق عبوری حالت سے متعلق عبوری اور وقتی احکامات کی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ اُن کے اندر کچھ نہ کچھ ظلم و حق تلفی کی برائی ضرور موجود ہوتی لہٰذا وہ خلاف عدل ہونے کی وجہ سے منشائے اسلام کے مطابق نہیں ہوتیں اور ان کا اختیار کرنا "مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ" کے طور پر ہوتا ہے یعنی جب مطلوبہ شے پوری نہ مل سکتی ہو بلکہ ادھوری مل سکتی ہو تو وقتی طور پر اسی کو اختیار کر لیا جائے اور پوری کے لیے کوشش جاری رہے، یا یوں کہیے کہ ان کا اختیار کرنا اَهْوَنُ الْبَلِيَّتَيْنِ اور اَخَفُّ الشَّرَّيْنِ کے طور پر ہوتا ہے یعنی جب دو برائیوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری و ناگزیر ہو تو وقتی طور پر کم درجہ کی برائی کو اختیار کر لیا جائے یعنی نفرت کے ساتھ اور بالآخر چھوڑ دینے کے ارادہ سے بہرحال یہ عبوری حالات سے تعلق رکھنے والی معاشی تعلیمات ہرگز ایسی نہیں جن کی بنا پر اسلامی معاشی نظام کے بہتر ہونے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہو۔

خلاصہ یہ کہ قرآن و حدیث میں معاشی نوعیت کی جو تین طرح کی تعلیمات ہیں وہ اپنی اساس و بنیاد

اپنی حقیقت و ماہیت، اپنی شرعی حیثیت و اہمیت، اپنے منشار و مقصد اور اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہیں اُن میں سے ہر ایک کے اطلاق کا محل و موقعہ الگ اور جدا ہے لہٰذا اُن کو آپس میں خلط ملط کرنا اور ملانا، اصولاً غلط قرار پاتا اور اُن کے بگاڑ کا باعث بنتا ہے، اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہوتا کہ اُن میں سے بعض کو لیا اور بعض کو نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ ان میں سے ہر نوع کی تعلیمات بجائے خود اہم اور ضروری ہیں اگرچہ ان کا محل موقعہ ایک دوسرے سے جدا ہے۔

جہاں تک میرے مطالعے اور تعمق کا تعلق ہے اسلامی معاشیات پر لکھی گئی کسی تحریر اور چھوٹی بڑی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا کہ کسی نے اسلام کی مذکورہ تین قسم کی معاشی تعلیمات پر بحث فرمائی ہو گویا کہ اس طرف توجہ گئی ہی نہیں اور یہ حقیقت نگاہوں سے اوجھل رہی چنانچہ اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اسلامی معاشیات پر لکھنے والے بعض حضرات نے مذکورہ تین قسم کی تعلیمات کو انمل بے جوڑ طریقہ سے آپس میں خلط ملط اور گڈمڈ کر دیا دوسرے بعض حضرات نے صرف ایک نوع کی معاشی تعلیمات کو اسلام کی اصل معاشی تعلیمات قرار دے کر باقی تعلیمات کو تاویل کے ذریعے نظر انداز کر دیا۔ مثلاً بعض نے احسان والی اخلاقی تعلیمات کو اصل قرار دے کر عدل اور مصلحت والی معاشی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا اور بعض نے اس کے برعکس عدل والی تعلیمات کو اصل ٹھہرا کر احسان اور مصلحت والی تعلیمات سے صرف نظر کیا اور بعض نے بے سوچے سمجھے عدل والی مستقل قسم کی قانونی تعلیمات کو وقتی مصلحت والی عارضی قانونی تعلیمات سے ملا کر ایسا مجموعہ مرکب پیش کیا جس کے اجزاء کے مابین اتحاد کی بجائے تضاد پایا جاتا تھا گویا اسلامی معاشیات کے متعلق علمارکرام کے درمیان جو اختلاف ہے اُس کا ایک خاص سبب یہ بھی ہوا کہ قرآن وحدیث میں جو تین طرح کی معاشی تعلیمات اور ان کے درمیان فرق و مغائرت کی جو متعدد وجوہ تھیں اُن کی طرف ذہن نہ گیا اور وہ نگاہ سے اوجھل رہیں، بنابریں ضروری ہے کہ اسلام کے معاشی نظام پر عملی کام کرنے والی جماعت مذکورہ حقیقت کو پوری طرح اور لازمی طور پر ملحوظ و مدنظر رکھے تاکہ اسلام کے معاشی نظام کا خاکہ متفقہ صورت میں سامنے آئے۔

اسلامی معاشیات کے متعلق علمارِ اسلام کے مابین جو اختلافات ہیں اُن کا دوسرا سبب میرے نزدیک بحث و تحقیق کا وہ طریقہ ہے جو بعض جزوی معاشی معاملات کی شرعی حیثیت متعین اور معلوم کرنے کے لیے عام طور پر اختیار کیا گیا، بحث و تحقیق کے اُس طریقہ سے مراد وہ طریقہ ہے جس میں کسی کل کے اجزاء میں سے ایک جزء کی جزوی حقیقت اور حیثیت متعین کرنے میں نہ کل کے مقصد وجود کو اور نہ اُس کے بقیہ اجزاء کو سامنے رکھا جائے بلکہ صرف دوسرے خارجی دلائل سے فائدہ اٹھایا جائے جن کی تعبیر و تشریح میں مختلف آرار کی گنجائش پائی جاتی ہو، چونکہ بحث و تحقیق کا یہ طریقہ جن دلائل پر مبنی ہوتا اُن میں اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے لہٰذا نتائج

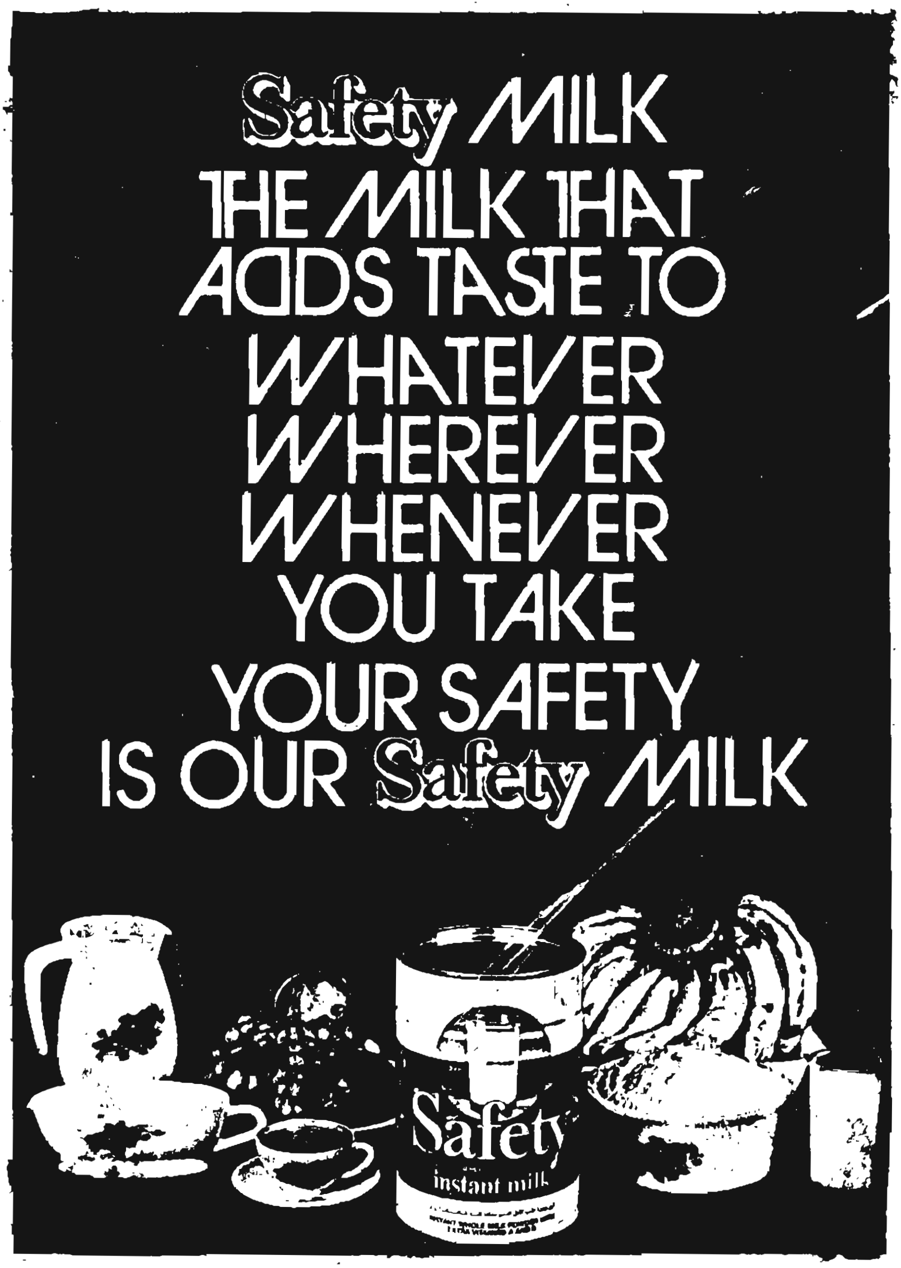
Safety MILK
THE MILK THAT
ADDS TASTE TO
WHATEVER
WHEREVER
WHENEVER
YOU TAKE
YOUR SAFETY
IS OUR Safety MILK
Safety
instant milk